© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

دارالکفر کی پارلیمنٹ کی رکنیت

سوال: برطانیہ میں معروف معنوں میں کسی سیاسی پارٹی کی ممبرشپ اختیار کرنا (ممبرشپ paid ہوتی ہے) اس کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑنا اور پارلیمنٹ کا رکن بننے کے بارے میں بہت سے لوگ تردّد کا شکار ہیں۔ بعض لوگ تو بالکلیہ ایسی سرگرمیوں کو عقیدۂ توحید کے خلاف سمجھتے ہیں کیوں کہ ایسی جمہوریتوں میں اقتدارِ اعلیٰ انسان کو سمجھا جاتا ہے‘ یعنی پارلیمنٹ کو۔

مولانا مودودیؒ کی راے بھی دلیل کے طور پر پیش کی جاتی ہے: موجودہ زمانے میں جتنے جمہوری نظام بنے ہیں وہ اس مفروضے پر مبنی ہیں کہ...... قانون سازی کے لیے راے عامہ سے بالاتر کسی سند کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اسلام کے نظریے کے بالکل برعکس ہے...... اس نظریے سے ہٹ کر اوّل الذکر جمہوری نظریے کو قبول کرنا گویا عقیدۂ توحید سے منحرف ہو جانا ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ جو اسمبلیاں یا پارلیمنٹیں موجودہ زمانے کے جمہوری اصول پر بنی ہیں ان کی رکنیت حرام ہے‘ اور ان کے لیے ووٹ دینا بھی حرام ہے‘ کیوں کہ ووٹ دینے کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہم اپنی راے سے کسی ایسے شخص کو منتخب کرتے ہیں جس کا کام موجودہ دستور کے تحت وہ قانون سازی کرنا ہے جو عقیدۂ توحید کے سراسر منافی ہے...... جو نظام اس وقت مسلمانوں پر مسلط ہوا ہے‘ جس کے تسلط کو وہ اپنے لیے دلیلِ اضطرار بنا رہے ہیں‘ وہ آخر ان کی اپنی ہی غفلتوں کا تو نتیجہ ہے۔ پھر اب بجائے اس کے کہ اپنا سرمایہ‘ وقت و عمل اس نظام کے بدلنے اور خالص اسلامی نظام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائم کرنے کی سعی میں صرف کریں، وہ اس اضطرار کو حجت بنا کر اسی نظام کے اندر حصہ دار بننے اور پھلنے پھولنے کی کوشش کر رہے ہیں......

یہ لوگ اس اصولی فرق کو نظرانداز کر دیتے ہیں جو ایک فرد غیرمسلم کے شخصی کاروبار اور ایک غیراسلامی نظام کے اجتماعی کاروبار میں ہے۔ ایک غیراسلامی نظام تو قائم ہوتا ہی اس غرض کے لیے ہے اور اس کی سارے کاروبار کے اندر ہر حال اور ہر پہلو میں مضمر ہی یہ چیز ہوتی ہے کہ اسلام کے بجائے غیراسلام، طاعت کے بجائے معصیت اور خلافتِ الٰہی کے بجائے خدا سے بغاوت انسانی زندگی میں کارفرما ہو، اور ظاہر ہے کہ یہ چیز حرام اور عام حرمات سے بڑھ کر حرام ہے۔ لہٰذا ایسے نظام کو چلانے والے شعبوں میں یہ تفریق نہیں کی جاسکتی کہ فلاں شعبے کا کام جائز نوعیت کا ہے اور فلاں شعبے کا ناجائز کیوں کہ یہ سارے شعبے مل جل کر ایک بڑی معصیت کو قائم کر رہے ہیں۔ (مکمل مطالعے کے لیے دیکھیے: رسائل و مسائل، اوّل، ص ۲۸۹-۲۹۱)

بعض لوگ لوکل کونسل کی سطح تک حصہ لینے میں قباحت نہیں سمجھتے کیوں کہ اس میں قانون سازی نہیں ہوتی۔ بعض لوگ مطلق اس کے حق میں ہیں۔

یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ اس ملک کی شہریت حاصل کرنے کے لیے ملکۂ برطانیہ کی وفاداری کا جو حلف لیا جاتا ہے اس میں اور پارلیمنٹ کا ممبر بننے میں کیا فرق ہے؟

جواب: اسلام کی ہمہ گیریت اور آفاقیت اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ اس کے سیاسی، معاشی، معاشرتی، دعوتی اور قانونی نظام میں بھی نہ صرف اسلامی ریاست کی حدود میں بلکہ غیراسلامی نظام کے ماحول میں بھی عمل کیا جاسکے، جب کہ بہت سے مسلمانوں نے اپنی خودساختہ فکر سے یہ بات ایجاد کر لی ہے کہ جب تک اسلامی ریاست اپنی تمام بھلائیوں کے ساتھ قائم نہ ہو جائے اس وقت تک اسلامی نظام کے بہت سے پہلوؤں کو معطل رکھا جائے۔ آپ کے سوال کے دو پہلو بہت اہم ہیں۔ ایک نظری حیثیت سے غیراسلامی نظام کا توحید سے تعلق اور دوسرے کسی ایسے نظام میں جو اسلامی بنیادوں پر قائم نہ ہوا ہو، ایک فرد کی شمولیت اور ذمہ داری۔

ہم پہلے عملی صورت کو لیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ قرآن و سنت کی روشنی میں ایک ایسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظام میں جس کی بنیاد اسلامی اصولوں پر نہ ہو، ایک باشعور شہری کے فرائض پر غور کریں۔

فرض کیجیے ایک اسلامی ملک میں موروثی بادشاہت رائج ہے اور بادشاہ کے مرنے پر اس کا بھائی یا بیٹا اس کا جانشین قرار پاتا ہے چاہے اس میں اہلیت، علم، تقویٰ، تجربہ وغیرہ ہو یا نہ ہو۔ کیا ایسے سیاسی نظام کو اس بنا پر اسلامی کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک مسلم اکثریتی ملک میں رائج ہے؟ عقل یہ مطالبہ کرتی ہے کہ قرآن و سنت کے منافی جانشینی اور وراثتی بادشاہت کو غیر اسلامی قرار دیا جائے۔ اب ذرا آگے چلیے۔ اگر ہر غیر اسلامی نظام میں جہاں حاکمیتِ الٰہی کی جگہ انسان کی بادشاہت، آمریت یا حاکمیت ہو، ایک شہری کا کام اپنے آپ کو مروجہ نظام سے کاٹ کر اپنے ایمان کا تحفظ ہی ہے تو پھر اصلاحِ حال کی شکل کیا ہوگی؟ پہلا کنکر کون پھینکے گا؟ گویا ایک نظام کے غیر اسلامی ہونے کے باوجود امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور فتنہ و فساد کو دُور کر کے عدل و انصاف کے نظام کو قائم کرنے کا فریضہ موقوف نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر ایسے کسی ملک میں عوامی ادارے ہوں جہاں سے آواز بلند کر کے اصلاح حال کی جاسکتی ہو تو قرآن و سنت کا مطالبہ ہوگا کہ ایک باشعور شہری کو جو وسائل بھی میسر آسکیں وہ ان کا استعمال کرے۔ اگر پارلیمنٹ یا کانگریس کا ممبر بننے کے بعد وہ فتنہ و فساد کو دُور کرنے کا کام زیادہ مؤثر طور پر کر سکتا ہو اور وہ ایسا نہ کرے تو عنداللہ جواب دہی سے نہیں بچ سکتا۔

اب فرض کیجیے ایک ایسے ملک میں جہاں اکثریت غیر مسلموں کی ہے قانون سازی، انسانی حقوق کے تحفظ، دینی اور ثقافتی آزادی کے حصول کے لیے قوتِ نافذہ پارلیمنٹ کے پاس ہے تو کیا مسلمان جو اقلیت میں ہیں اپنے تمام مسائل و حقوق کو غیر مسلم اکثریت کی صواب دید پر چھوڑ دیں یا خود اپنے میں سے ایسے افراد کو پارلیمنٹ میں بھیجیں جو وہاں جا کر نہ صرف ان کے حقوق بلکہ غیر مسلموں کے حقوق کے لیے بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جدوجہد کر سکیں؟

اس عملی مشکل پر غور کرنے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ نظری اور اصولی حیثیت سے ایسی جمہوریتوں کی حیثیت پر بھی غور کیا جائے جو بنیادی طور پر اسلامی اصولِ حکومت و سیاست سے متصادم ہوں۔ مغربی لادینی جمہوریت جو اکثر مسلم ممالک میں بھی نافذ ہے پارلیمنٹ کی رائے کی بنا پر فیصلے کرتی ہے۔ ظاہر ہے یہ اسلامی اصولوں کے منافی ہے۔ اسلام لازمی طور پر 'جمہوری روح' کو فوقیت دیتا ہے اور ہر معاملے میں آزادیِ رائے اور حریتِ فکری کے مواقع فراہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتا ہے لیکن فیصلوں کی بنیاد محض اکثریت کو قرار نہیں دیتا۔ اگر ایک اقلیتی رائے قرآن وسنت سے زیادہ قریب ہو تو اسلامی نقطۂ نظر سے اس کا اختیار کرنا زیادہ جمہوری عمل ہوگا۔ کیوں کہ اس میں اُمت کے مصالح اور مفاد کا زیادہ بہتر تحفظ ہوگا۔

محترم مولانا مودودیؒ نے جو بات ۱۹۴۵ء میں تحریر فرمائی ہے وہ اصولی حیثیت سے بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ کسی بھی طاغوتی نظام سے تعاون کرنا توحید کے منافی ہے۔ لیکن اگر ایک غیراسلامی نظام میں ایک منتخب یا مقرر کردہ نمایندے کو یہ اختیار ہو کہ وہ قانون سازی کے ذریعے امنِ عامہ، عدل وانصاف اور حقوقِ انسانی کے تحفظ کے لیے ان اختیارات کو استعمال کرسکے جن کی بنا پر حضرت یوسفؑ نے ایک غیراسلامی نظام میں کلیدی منصب لینا قبول کیا تھا، تو اس کی نوعیت مختلف ہوگی۔

محترم مولانا کا یہ فرمانا کہ سیکولر جمہوریت توحید کے منافی ہے، بالکل صحیح ہے لیکن ایک ایسے ملک میں جہاں سیکولر جمہوریت نافذ ہو اور مسلمان اقلیت میں ہوں اصلاحِ حال کا ذریعہ کیا ہوگا۔ تین امکانات فوری طور پر سامنے آتے ہیں: اوّلاً: تمام معاملات کو غیرمسلموں پر چھوڑ دیا جائے اور صبروشکر کے ساتھ ایک محکوم اور غلام کی زندگی گزاری جائے۔ ثانیاً: اسلامی اصولوں کو نظرانداز کرتے ہوئے حکمران ٹولے کے ساتھ مل کر اپنے مفادات کا تحفظ کیا جائے۔ ثالثاً: ایسے نظام کو اصولاً غلط مانتے ہوئے تبدیلیِ اقتدار کے لیے نظام میں رہتے ہوئے کوشش کی جائے۔ میری ناقص رائے میں یہ تیسرا طرزِعمل اسوۂ یوسفی ہے، جو آخرکار زمامِ کار کی تبدیلی، اسلامی اصولوں کے قیام کی طرف لے جاتا ہے، اور مطالبہ کرتا ہے کہ توحید کی دعوت کو ایوانِ اقتدار میں پہنچ کر نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیرمسلموں کو بھی حکمت کے ساتھ توحید کی دعوت دی جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے کلیدی منصب پر فائز ہونے کے حوالے سے امام قرطبیؒ کی رائے یہ ہے کہ ایک فاضل شخص کے لیے فاسق وفاجر شخص یا کافر حکمران کے ہاتھ سے کسی کام کی ذمہ داری قبول کرنا جائز ہے بشرطیکہ عہدہ قبول کرنے والے کو معلوم ہو کہ اسے پورے اختیارات حاصل ہوں گے۔ وہ جو چاہے گا اصلاحی تدبیر اختیار کرسکے گا اور اس کے کام میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی جائے گی۔ یہی رائے مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیرِ مظہری میں تحریر فرمائی ہے۔

جہاں تک سوال لوکل باڈی یا قومی اداروں میں ذمہ داری اٹھاتے وقت رسمی طور پر عہد لینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا ہے، اگر وہ عہد غیر مشروط اطاعت کا ہے تو یہ ہر لحاظ سے ایک غیر اسلامی فعل ہے۔ لیکن اگر صرف ان باتوں کا ماننا جو ایک شخص کے ضمیر، تصور اور ذاتی معتقدات سے نہ ٹکراتے ہوں تو اس میں کوئی قباحت اس کے سوا نہیں ہے کہ یہ عہد بھی ایک ایسے نظام کا حصہ ہے جس کی اصلاح، نظام میں نفوذ کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اسے بہ اکراہ ماننا ہوگا اور قانونی اداروں کے ذریعے اس کی تبدیلی کے لیے جدوجہد کرنا ہوگی۔

مسلمانوں کے لیے بہتر شکل یہی ہے کہ ان کی اپنی سیاسی پارٹی ہو۔ لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر جس سیاسی پارٹی میں زیادہ رواداری اور اُمتِ مسلمہ کے مفادات کے تحفظ کا امکان زیادہ ہو، اسے اختیار کرنا افضل ہوگا۔ ایک سے زائد پارٹیوں میں شرکت اگر مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے بہتر ہو تو اس میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔ (ڈاکٹر انیس احمد)

فی سبیل اللہ کی مد

س: زکوٰۃ کے مصارف میں فی سبیل اللہ کی مد سے کیا مراد ہے؟

ج: تیر و تلوار کی طرح قلم اور زبان سے بھی جہاد ہوتا ہے۔ جہاد کبھی فکری ہوتا ہے، کبھی تربیتی، کبھی اقتصادی اور کبھی سیاسی، بالکل اسی طرح جس طرح عسکری جہاد ہوتا ہے۔ بہر حال ہر نوع کے جہاد کے لیے امداد اور سرمایے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اہم ترین چیز یہ ہے کہ ان سب میں بنیادی شرط پائی جاتی ہو اور وہ ہے فی سبیل اللہ۔ یعنی ان تمام کوششوں کا مقصد اسلام کی نصرت اور زمین پر اللہ کے کلمے کی سربلندی ہو۔ بلکہ میری رائے میں تو فکری جہاد جس میں دعوتی ذرائع ابلاغ کے اداروں کا قیام بھی شامل ہے، کبھی کبھار فوجی جہاد سے بھی اولیٰ ہوجاتا ہے۔

اگرچہ مذاہب اربعہ کے قدیم فقہا کی اکثریت نے زکوٰۃ کی اس مد کو غازیوں کو ساز و سامان سے مسلح کرنے کے لیے مخصوص کیا ہے جیسے گھوڑے، جنگی اسلحہ اور سواری وغیرہ مہیا کرنا، لیکن ہم اس میں اپنے زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے اضافہ کرسکتے ہیں اور وہ غازی بھی اس میں شامل کرسکتے

© rasailojaraid.com